روایت حدیث میں سند کی اہمیت

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی
شارح ترمذی وابن ماجہ

اللہ تعالیٰ نے اس امت مرحومہ کو اپنے دین کی حفاظت کیلئے سند کی خصوصیت سے نوازا ہے جس کی وجہ سے یہ دین متین آج تک اپنی اصل حالت میں موجود ہے ورنہ اس کا بھی وہی حال ہوتا جو سابقہ امتوں نے اپنے ادیان کے ساتھ کیا تھا چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا آخری دین ہے اور اس نے قیامت تک قائم رہنا ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود اللہ کریم نے اٹھایا ہے:

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون

بلاشبہ ہم نے ذکر نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

لہٰذا اس دین کی حفاظت کیلئے اللہ تعالیٰ نے کئی قسم کے اسباب پیدا فرمائے قرآن مجید کو زمانہ نزول میں ہی مدون کرلیا گیا تھا۔ جس سے تحریف کے تمام راستے مسدود ہو گئے تھے اور کسی قسم کی تحریف کا ہونا ناممکن اور محال ہو گیا تھا احادیث رسول ﷺ دین کا قران کریم کی طرح بڑا ماخذ ہے اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چند ایک نے اپنے وسائل کے مطابق چند احادیث کو بھی احاطہ تحریر میں محفوظ کر دیا تھا لیکن پھر بھی احادیث کی بڑی تعداد عملا اور صدرا ہی محفوظ چلی آ رہی تھی قرآن جیسی حفاظت کا اہتمام نہیں ہوا تھا تاہم اللہ تعالیٰ نے اس امت کے صدر اول کے ایمانداروں کے دلوں میں سند کی اہمیت کو اجاگر فرمایا تھا جو آگے چل کر حفاظت حدیث کیلئے سنگ میل ثابت ہوئی۔

بلاشبہ سند اس امت کی خصوصیت ہے جس سے پہلی امتیں محروم رہی ہیں سند حفاظت حدیث کا سب سے اہم ذریعہ اور مؤثر سبب ہے اگر سند نہ ہوتی تو یہ محفوظ دین بھی آج تغیر وتبدل کا شکار ہو چکا ہوتا اور یہودیت وعیسائیت کی طرح اپنا حقیقی وجود کھو چکا ہوتا سند کے ہوتے ہوئے کسی شخص کو دین میں تحریف اور من مانی کرنے کی جرأت پیدا نہیں ہو سکتی اور کوئی شخص اس محفوظ دین میں نقب زنی یا تحریف کرتا ہے تو اس کی تحریف کا علم اہل علم کو ہو جاتا ہے۔

خبر کی تحقیق:

اللہ تعالیٰ نے خبر کی تحقیق وتفتیش کا حکم فرمایا ہے:

یا ایھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین (الحجرات:٦)

اے ایمان والو! اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لیکر آئے تو اس کی وضاحت اور تحقیق کیا کرو یہ کہ تم کسی قوم پر لاعلمی کی بنا پر حملہ کردو اور جو تم نے کیا ہے پھر اس پر ندامت اٹھاؤ۔

امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ فاسق کی خبر نا قابل قبول ہے۔ اور غیر عدل (غیر ثقہ) کی خبر مردود ہے (مسلم ۱/۹)

سند کا مقصد بھی حدیث کی تحقیق ہوتا ہے کیونکہ اسکے بغیر حدیث کے متن تک رسائی نہیں ہوتی رسول اللہ ﷺ نے بڑے واضح الفاظ میں فرمادیا تھا کہ ایک دور آنے والا ہے جس میں کذاب قسم کے لوگ پیدا ہو جائیں گے جن کا مقصد لوگوں میں جھوٹی روایات پھیلانا ہوگا چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

سیکون فی آخر امتی أناس یحدثونکم ما لم تسمعوا انتم والا آبائکم فإیاکم وإیاھم .

میری امت کے آخر میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہونگے جو ایسی روایات بیان کریں گے جو نہ تم نے اور نہ تمہارے بڑوں نے سنی ہوں گی تم اپنے آپ کو ان سے بچا کر رکھو اور ان کو بھی خود سے دور رکھو۔

ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

لا یضلونکم ولا یفتنونکم (مسلم ۱/۱۲، الکامل ۱/۵۷)

یہ تم کو (جھوٹی روایات سے) گمراہ نہ کردیں اور تم کو فتنے میں مبتلا نہ کردیں۔

اس حدیث میں جھوٹی روایت کو گمراہی اور فتنے کا سبب قرار دیا ہے اس فتنے سے بچاؤ کا حل بھی اسی حدیث میں ہے کہ تم ایسے راویوں کے قریب نہ جاؤ جو جھوٹی روایات پھیلاتے ہیں جس سے واضح ہے کہ راویوں کے بارہ میں تحقیق کی جائے اور دیکھا جائے کہ کہیں اس حدیث کا راوی کذاب تو نہیں ہے جو اپنی کذب بیانی سے رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کررہا ہے جو آپ نے نہیں فرمائی۔

سنی سنائی حدیث بیان کرنا

صدق اور کذب میں امتیاز تحقیق سے ہی ہوگا اور سنی سنائی روایت کو آگے بیان کرنا شرعاً جھوٹ کے زمرہ میں آتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کفی بالمرء کذبا أن یحدث بکل ما سمع (مسلم ۱/۱۹)

آدمی کیلئے اتنا ہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرے۔

جب عام بات کا بغیر تحقیق کے بیان کرنا جھوٹ ہے تو پھر بغیر تحقیق رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرنے میں یہ گناہ کئی گنا تک بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ اتنا بڑا جرم ہے جس کی سزا جہنم سے کم نہیں لہٰذا کوئی بھی حدیث بیان کرنے سے پہلے اس کی تحقیق کرنا اور یہ معلوم کرنا کہ آیا وہ حدیث صحیح بھی ہے یا کہ نہیں از بس ضروری ہے۔

پیش گوئی کا ظہور:

مذکورہ بالا حدیث: **سیکون فی آخر امتی** میں جس پیش گوئی کا ذکر ہوا ہے اس کا ظہور بری تیزی سے وقوع پذیر ہوا۔ دور صحابہ کے آخر میں اس قسم کے کچھ لوگ پیدا ہوگئے تھے جنہوں نے وضع حدیث کا دھندہ شروع کیا اور اپنی طرف سے روایات گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا شروع کردیں خصوصاً شہادت علی رضی اللہ عنہ کے بعد جب فتنہ پرور لوگوں نے من گھڑت روایات کا دروازہ کھولا تو جناب علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا "**قاتلهم الله ای علم افسدوا**"

اللہ تعالیٰ ان کو برباد کرے انہوں نے کتنے اچھے علم کو برباد کیا ہے۔

حفاظتی تدابیر:

صحابہ کرام کے علم میں جب وضع حدیث کا فتنہ آیا تو ان کو حدیث رسول اللہ ﷺ کی حفاظت دامن گیر ہوئی انہوں نے قرآن و حدیث کی ہدایات کو مدنظر رکھتے ہوئے حدیث کی سند کا اہتمام کیا اور اس کیلئے قبولیت اور عدم قبولیت کا ایک معیار قائم کیا حبر الامۃ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إنا کنا نحفظ الحدیث والحدیث یحفظ عن رسول الله ﷺ فإذا رکبتم کل صعب وذلول فهیهات (مسلم ۱/۱۳)

بلاشبہ ہم حدیث یاد رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث یاد رکھی جاتی تھی لیکن جب تم ہر مشکل اور آسان پر سوار ہوگئے (محمود اور مذموم رستے پر چل نکلے) تو تمہارے لئے بُعد اور دوری ہے۔

ایک روایت میں اس سے قدرے تفصیل ہے کہ بشیر بن کعب عدوی ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے حدیثیں بیان کرنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا ہے۔ ابن عباس نہ اس کی طرف توجہ دے رہے تھے اور نہ ہی اس کی حدیثیں سن رہے تھے بشیر کہنے لگا ابن عباس تم میری احادیث نہیں سن رہے ہو۔ حالانکہ میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کررہا ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انا کنا مرة إذا سمعنا رجلا یقول قال رسول الله ﷺ ابتدرته ابصارنا واصغینا إلیه بآذاننا فلما رکب الناس الصعب والذلول لم نأخذ من الناس إلا ما نعرف (مسلم ۱/۱۳) ہماری یہ حالت ہوا کرتی تھی کہ ہم جب کسی شخص کو سنتے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہے تو ہماری آنکھیں اس کی طرف اٹھ جاتیں ہم اپنے کان اس کی طرف جھکا دیتے لیکن جب سے لوگوں نے ہر طرح کی روایات بیان کرنی شروع کردی ہیں تو ہم صرف ان لوگوں سے حدیث قبول کرتے ہیں جنکو ہم جانتے پہچانتے ہیں۔

علم جرح وتعدیل:

دراصل یہی احتیاطی اور حفاظتی تدابیر علم الجرح والتعدیل کی بنیاد ہیں لیکن بعض علم حدیث سے ناواقف اور ناداں حضرات اس علم پر اعتراض کرتے ہیں ان کے خیال میں جرح محض اکابرین کی پگڑیاں اچھالنے کا نام ہے مگر ان کا یہ خیال اور نظریہ دیانت اور امانت کے خلاف ہے اس لئے کہ

ہر ایک معاشرہ انواع واقسام کے افراد سے مرکب ہوتا ہے جس میں تمام حضرات ایک جیسے نہیں ہوتے بلکہ ہر دو انواع خیر وشر سے تعلق رکھتے ہیں۔

وانا منا الصلحون ومنا دون ذالک

اور پھر ہر ایک نوع میں سے بھی ادنیٰ اور اعلیٰ کے درمیان کئی ایک درجات ہوتے ہیں پورے معاشرے کو ایک ہی درجہ پر رکھنا اخلاقا و درایۃً ظلم عظیم ہے۔ بلکہ ہر شخص کو اس کے حسب حال درجہ و مقام دینا چاہئے۔**انزلوا الناس منازلھم**۔علم الجرح والتعدیل دراصل مختلف افراد و اشخاص کے درمیان تفاوت کو ظاہر کرتا ہے اور صحیح سند کے ذریعے نیک وبد، اعلیٰ وادنیٰ اور صادق وکذاب مین امتیاز کیا جاتا ہے اس علم کی بنیاد نصوص اور حقائق پر مبنی ہے۔ جس کا اصل مقصد حدیث کی حیثیت کو صحت وسقم کے لحاظ سے پرکھنا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! تم فاسق کی خبر کی تحقیق کیا کرو۔ معنی یہ ہے کہ فاسق کی خبر کو بلا تحقیق و بلا چوں چراں قبول نہ کیا کرو۔

رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو جو جھوٹی روایت بیان کرتا ہے کذاب کہا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:**من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فھو احد الکاذبین** (مسلم ۱/۹ کتاب المجروحین ۱/۷، الکامل ۱/۲۹) جو شخص میری کوئی حدیث بیان کرتا ہے اس کے گمان میں وہ حدیث جھوٹی ہوتی ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔

کسی موقع پر ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ پر داخل ہونے کی اجازت طلب کی آپ ﷺ نے فرمایا:

ائذنوا بئس اخو العشیرۃ او ابن العشیرۃ (بخاری کتاب الأدب، مسلم کتاب البر والصلۃ)

تم اسے اندر آنے کی اجازت دے دو یہ اپنے قبیلے کا برا بھائی ہے یا فرمایا برا بیٹا ہے۔

یہ شخص بد اخلاق تھا جس کے شر سے خوف کھایا جاتا تھا اس کے اس برے وصف کو رسول اللہ ﷺ نے **بئس اخو العشیرۃ** ۔کے الفاظ سے ظاہر کیا۔ ان دونوں احادیث سے واضح ہے کہ مجروح راوی پر جرح کرنی جائز ہے اور اس کے غلط وصف کو جس سے دین یا لوگوں کو نقصان پہنچے ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ خصوصا جو من گھڑت روایت بیان کرتا ہے اس کو کاذب سے تعبیر کرنا جائز اور درست ہے۔

صحابہ کرام اور علم جرح:

صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ تھے بھلا وہ دین کے اس اہم معاملہ سے کیسے غافل رہ سکتے تھے وہ جب کوئی ایسی حدیث سنتے تو اس کی پوری تحقیق کرتے اور جب تک اس کی صحت کے بارہ میں پوری طرح سے تسلی نہ ہو جاتی اسے قبول نہ کرتے خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بڑھیا عورت آئی اور پوتے کی وراثت سے اپنے حصے کا تقاضا اور مطالبہ کیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اللہ کی کتاب میں ترے لئے کوئی حق نہیں پاتا اور نہ میرے علم میں تیرے لئے سنت میں کوئی حصہ مقرر ہے تم واپس چلی جاؤ میں لوگوں سے پوچھوں گا۔ پھر انہوں نے اس بارہ میں لوگوں سے استفسار کیا تو جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ کہنے لگے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا جب آپ نے دادی کو چھٹا حصہ دیا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے تمہارے ساتھ کوئی دوسرا شخص بھی ہے جس کو اس حدیث کا علم ہو اس پر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر مغیرہ کی تائید کی جس پر جناب اکبر رضی اللہ عنہ نے دادی کو وراثت میں چھٹا حصہ دیا(ابو دائود، ۳/۳۱۷ بیروت، ترمذی ٤/٤٢٠ طبع بیروت)۔

جناب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا ستاذن احدکم ثلاثا فلم یوذن لہ فلیرجع

تم میں سے کوئی شخص جب (کسی کے پاس داخل ہونے کی) تین بار اجازت طلب کرے تو اگر اسے اجازت نہ دی جائے تو واپس لوٹ جائے۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اس پر کوئی شاہد پیش کرو کہ تمہارے علاوہ کسی دوسرے شخص نے بھی یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے اس پر ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے گواہی دی تو امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو قبول فرمایا(بخاری ۱۳۲۳، طبع دار السلام)

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی تو یہ عادت تھی جیسا کہ وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ جب میں کوئی حدیث رسول اللہ ﷺ سے براہ راست سنتا تو اللہ تعالیٰ جس قدر چاہتا مجھے فائدہ

پہنچاتا اور جب مجھ سے کوئی دوسرا شخص حدیث بیان کرتا (جو رسول اللہ ﷺ سے میں نے خود نہ سنی ہوتی) تو میں بیان کرنے والے سے قسم لیتا اور جب وہ قسم اٹھالیتا تو میں اسے قبول کرتا (مسند احمد ۱/۲)

ان جملہ واقعات سے واضح ہے کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تحقیق کرنے کے بعد حدیث قبول کرتے یہی وجہ ہے کہ اہل علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے بہت سے حضرات نے جرح کے اصول کو اپنایا ہے نوف بکائی کا خیال تھا کہ بنی اسرائیل کے رسول موسیٰ علیہ السلام وہ موسیٰ نہیں تھے جو جناب خضر علیہ السلام سے ملے تھے ابن عباس کو جب اس کا پتہ چلا تو انہوں نے فرمایا: کذب عدو اللہ (بخاری ۳۱) اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے۔

ہر جمعہ میں ایک گھڑی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے کعب الاحبار کا خیال تھا کہ یہ گھڑی ہر جمعہ میں نہیں بلکہ سال بھر میں ایک دفعہ ہے عبداللہ بن سلام کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا: کذب کعب (الکامل ۱/٦۲) کعب نے جھوٹ بولا ہے۔

ابومحمد نامی شخص نے کہا وتر واجب ہے اس پر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس نے جھوٹ بولا ہے۔ (الکامل ۱/۳) انسؓ نے فرمایا قنوت رکوع سے پہلے ہے عاصم بن سلیمان کہنے لگے مجھے تو فلاں شخص نے بتایا ہے کہ تم کہتے ہو قنوت رکوع کے بعد ہے انس نے فرمایا اس نے جھوٹ بولا ہے (بخاری، ۱۹۸)۔ امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیانؓ نے کعب الاحبار کے بارے میں فرمایا: اہل کتاب میں سے جو حضرات ہم سے احادیث بیان کرتے ہیں ان تمام میں یہ سب سے زیادہ سچا ہے لیکن بلا شبہ ہم نے اس پر جھوٹ کا تجربہ کیا ہے (تهذیب التهذیب ۸/٤۳۹)

دور تابعین میں جرح و تعدیل

مذکورہ واقعات اور اس سلسلہ کے دیگر واقعات جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف راویوں پر جرح کی ہے سے واضح ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جرح کا اصول رائج تھا اور اس اصول کو آگے چل کر تابعین کرام رحمہم اللہ اجمعین نے اپنایا فرق یہ تھا کہ دور صحابہ میں کذب بہت کم تھا بلکہ کوئی صحابی بھی عملاً کذب کا ارتکاب نہیں کرتا تھا۔ سیدنا براء بن عازبؓ فرماتے ہیں: الناس کانوا لا یکذبون یومئذ (ضعیف اور موضوع روایات ۲۹) لوگ اس وقت جھوٹ نہیں بولا کرتے تھے۔ ایک صحابی فرماتے ہیں۔ واللہ ما کنا نکذب ولا ندری ما الکذب (ضعیف اور موضوع روایات ۱۳) اللہ کی قسم ہم جھوٹ نہیں بولتے تھے نہ ہی ہم جھوٹ سے واقف تھے۔

لیکن تابعین کے دور میں صورت حال بدل چکی تھی کچھ لوگوں نے ایک منصوبے کے تحت اسلام کا لبادہ اڑھا تھا قرآن کریم کتابی شکل میں محفوظ ہو چکا تھا جس میں کمی بیشی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا لہٰذا انہوں نے اپنے پروگرام اور منصوبے کی آبیاری کیلئے من گھڑت روایات کا سہارا لیا وہ روایات گھڑتے اور رسول اللہ ﷺ کا نام لیکر لوگوں کے سامنے پیش کر دیتے ائمہ تابعین عظام نے اس فتنے کے تدارک اور روک تھام کیلئے قبول روایت کیلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قائم کردہ معیار کے مطابق روایات کی چھان پھٹک کی جو روایت اس معیار پر پوری اتری اسے قبول کیا ورنہ دوسری کو رد کر دیا۔ امام التابعین محمد بن سیرین فرماتے ہیں:

ولم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالکم فینظر الی اهل السنة فیوخذ حدیثهم وینظر الی اهل البدع فلا یوخذ حدیثهم (مسلم ۱/۱۵) لوگ سند طلب نہیں کرتے تھے مگر جب فتنہ رونما ہوا (تو سند کا مطالبہ شروع ہوگیا) وہ کہنے لگے ہمیں بتاؤ تم سے یہ حدیث کس نے روایت کی ہے پھر دیکھا جاتا اگر راوی کا تعلق اہل سنت میں سے ہوتا تو اس کی روایت قبول کر لی جاتی اور اہل بدعت کو دیکھا جاتا اگر راوی کا تعلق اہل بدعت سے ہوتا تو اس کی روایت رد کر دی جاتی۔

سند ضروری ہے

لیکن اتنی احتیاط کے باوجود اہل بدعت اپنے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی تک ودو میں رہے جوں جوں وقت زمانہ نبوت سے دور ہوتا جا رہا تھا فتنے نئے سے نئے انداز میں سر اٹھا رہے تھے اور بہت سے مذاہب بدعیہ معرض وجود میں آچکے تھے جس سے علم الجرح والتعدیل کی اہمیت وافادیت مزید بڑھ گئی اہل بدعت کی غلط روش کو دیکھ کر ائمہ اعلام نے سند کے بارہ میں بہت احتیاط سے کام لیا حالات و واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے حدیث کی حفاظت کی خاطر کئی قسم کی تدابیر کیں جن تمام کا تعلق

سند سے ہے بہت سے ائمہ اعلام نے سند کو دین کا ایک جزء قرار دیا امام یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں: **الاسناد من الدين** (التمهيد لابن عبدالبر، ۱/۵۷) سند دین میں سے ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: **الاسناد من الدين ولو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء** (مسلم ۱/۱۵، شمائل ترمذی مترجم ۴۱۶) سند دین میں سے ہے اگر سند نہ ہوتی تو ہر شخص جو چاہتا کہہ دیتا۔ امام سفیان بن عیینہ (جو نامور محدث اور فقیہ ہیں) سے ان کے بھائی نے عرض کیا تم ہمیں سند کے بغیر حدیثیں بیان کرو تو امام سفیان نے اہل مجلس سے مخاطب ہو کر کہا: **انظروا إلى هذا يامرني ان اصعد فوق البيت بغير درجة** (الكفاية ۳۹۳) تم اس کی طرف دیکھو مجھے حکم دیتا ہے کہ میں گھر کی چھت پر بغیر سیڑھیوں کے چڑھوں۔

ائمہ عظام کے مذکورہ آثار واقوال سے واضح ہے کہ وہ سند کے بغیر کسی حدیث کو قبول نہیں کرتے تھے کیونکہ حدیث کے متن تک پہنچنے کا واحد ذریعہ سند ہے بلا سند کوئی حدیث قابل قبول نہیں بلکہ بغیر سیڑھی کے چھت پر چڑھنے کے مترادف ہے جو ناممکن ہے سند کے بغیر نہ تو پتہ چل سکتا ہے کہ حدیث رسول ہے یا کسی دوسرے شخص کا قول ہے اور نہ ہی اس کے بغیر تمیز ہو سکتی ہے کہ اس روایت کی نسبت رسول اللہ ﷺ طرف صحیح ہے یا غلط یہی وجہ ہے کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: **ما ذهاب العلم الا ذهاب الاسناد** (التمهيد ۱/۵۷) سند کے ختم ہونے سے علم حدیث ختم ہو جائے گا۔

سند سے جھوٹ اور سچ کے درمیان فرق ہو جائے گا

امام ابن مبارک کا قول گزر چکا ہے کہ اگر سند نہ ہوتی تو ہر شخص جو چاہتا کہہ دیتا اور امام ابن مبارک کا ہی قول ہے کہ: **بيننا وبين القوم القوائم يعني الاسناد** (مسلم ۱/۱۵) ہمارے اور قوم کے درمیان قوائم یعنی سند ہے۔ قوائم قائمۃ کی جمع ہے چارپائے کی چاروں ٹانگوں کو کہتے ہیں جن پر وہ کھڑا ہوتا ہے معنی یہ ہے کہ اگر حدیث صحیح سند کے ساتھ مروی ہے تو قابل قبول ورنہ ہم رد کر دیں گے۔ امام ابن مبارک نے سند کو حیوانات کی ٹانگوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے جیسا کہ حیوان بغیر ٹانگوں کے کھڑا نہیں ہو سکتا اسی طرح حدیث کی حالت ہے کہ وہ بغیر سند کے قائم نہیں ہو سکتی بلکہ ہر شخص شتر بے مہار کی طرح اپنی خواہش کی تکمیل کیلئے رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک استعمال کرتا ہے جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ مذاہب باطلہ نے ہزاروں روایات گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیں لیکن جب ان کی اسناد کو تحقیق کی کسوٹی پر رکھا گیا تو وہ جھوٹ ثابت ہوئیں جس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ ۴۴۷ھ میں یہودیوں نے ایک خط کے بارے میں دعویٰ کیا کہ یہ خط رسول اللہ ﷺ کا ہے جو آپ نے اہل خیبر کو لکھا تھا کہ تم سے جزیہ معاف ہے اور یہ خط علی رضی اللہ عنہ کے قلم سے لکھا ہوا ہے جس میں معاویہ بن ابوسفیان اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کی شہادات ثبت ہیں خط اس وقت کے وزیر اعظم ابن مسلمہ کو پیش کیا گیا جس سے ایک کھلبلی مچ گئی وزیر اعظم نے یہ خط امام ابوبکر خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے سپرد کیا خطیب نے خط دیکھتے ہی فرمایا یہ جھوٹ ہے وزیر اعظم نے پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے فرمایا اس خط میں جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کی شہادت موجود ہے جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ خندق کے موقع پر شہید ہو گئے تھے جبکہ خیبر ۷ھ میں (یعنی معاویہؓ کے مسلمان ہونے سے ایک سال پہلے اور معاذؓ کی شہادت کے چار سال بعد) فتح ہوا تھا جس سے اس خط کا جعلی ہونا واضح ہے وزیر اعظم نے اس خط کو رد کر دیا (الاعلان بالتوبيخ ص ۱۱ وتذكرة الحفاظ ۳/۱۱۴۱)۔

اگر امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ علم الجرح والتعدیل کے ماہر نہ ہوتے تو یہودی اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جاتے اہل حدیث کا بھی یہی موقف ہے کہ ہر روایت کی تحقیق کرنی چاہئے محض کسی شخص کے قال رسول اللہ ﷺ کہنے پر اسے فرمان رسول تسلیم نہیں کرنا چاہئے بلکہ دیکھنا چاہئے کہ اس روایت کی سند کیسی ہے یہ موقف آج کے اہل حدیث حضرات کا نہیں بلکہ دور صحابہ سے لیکر آج تک کے تمام محدثین کا چلا آرہا ہے۔ اسمیں اج کے اہل حدیث نے کوئی اضافہ یا ترمیم نہیں کی بلکہ ان اصولوں کو ہی اپنایا ہے جنہیں سلف صالحین صحابہ کرام وتابعین عظام نے اپنایا تھا اور متقدمین محدثین نے مدون کیا ہے۔

کون سی سند قبول ہے:

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل بدعت اپنے موقف میں جو روایات پیش کرتے ہیں ان میں

سے اکثر کی سندیں موجود ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان روایات کو رد کر دیا جاتا ہے اس اعتراض کے دفعیہ میں ہم کہتے ہیں حدیث کی صحت کیلئے صرف سند کا ہونا کافی نہیں بلکہ حدیث کی صحت سند کی صحت پر منحصر ہے کہ اس کے رجال بھی ثقہ حافظ ضابطہ ہوں اور سد علل اور شذوذ سے پاک ہو امام ابن سیرین کا قول اوپر گزر چکا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت راوی کی روایت قبول کی جاتی اور اہل بدعت کی روایت رد کی جاتی۔ محدثین کرام نے رواۃ کے معیار کو قائم کرکے دراصل حدیث کے ارد گرد حفاظت کی ایک مضبوط باڑھ باندھ دی ہے جس سے گزر کر ہی متن حدیث تک پہنچا جاسکتا ہے۔

امام سعد بن ابراہیم فرماتے ہیں: لا یحدث رسول اللہ ﷺ الا الثقات (مسلم ۱/۱۵) حدیث رسول صرف ثقہ راویوں سے قبول کی جاتی ہے۔ معروف تابعی امام طاووس فرماتے ہیں: ان صاحبک ملیا فخذ عنه (مسلم ۱/۱۵) اگر راوی ثقہ ہے تو اس سے روایت لے لو۔ امام قاسم بن عبیداللہ سے امام یحیٰ بن سعید نے کہا یہ بات نہایت ناپسندیدہ ہے کہ تم سے کسی دینی امر کے بارہ میں دریافت کیا جائے تو تم اس کا جواب نہ دے سکو انہوں نے فرمایا: یہ کیوں؟ امام یحیٰ کہنے لگے: اس لئے کہ تم ہدایت کے دو اماموں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اولاد سے ہو قاسم فرمانے لگے اس سے بھی ناپسندیدہ اور قبیح ترین بات یہ ہے کہ میں بغیر علم کے فتویٰ دوں یا غیر ثقہ راوی سے حدیث لوں (مسلم ۱/۱۶ ملخصا)

امام محمد بن سیرین نے مرض الموت کے ایام میں فرمایا: یا معشر الشباب انظروا عمن تاخذون هذه الاحادیث فانها دینکم (المحدث الفاصل ۴۱۵، الکفایة ۱۲۲) اے نوجوانو! تم دیکھو یہ احادیث کس سے لیتے ہو بلا شبہ یہ تمہارا دین ہے۔

یہی بات بہت سے ائمہ عظام جن میں ضحاک بن مزاحم اور امام مالک رحمہم اللہ بھی ہیں فرماتے ہیں امام مالک اپنے ایک مکتوب میں جو انہوں نے محمد بن مطرف کی طرف لکھا تھا فرماتے ہیں: ہر محدث اور راوی سے حدیث لینی مناسب نہیں ہمارے پسندیدہ اہل علم میں سے بعض حضرات فرمایا کرتے تھے علم حدیث دین ہے تم دیکھو اپنا دین کس سے حاصل کرتے ہو۔ (الکامل ۱/۱۵۷)۔

حدیث وہی قبول کی جاتی ہے جس کی سند صحیح ہو

ان تمام آثار سے واضح ہے کہ ائمہ تابعین اور محدثین کا یہی موقف ہے کہ غیر ثقہ راوی کی روایت قبول نہ کی جائے بلکہ اسے رد کر دیا جائے اور یہی آج اہلحدیث کا موقف ہے جو عین صواب اور حق ہے۔ بعض حضرات فضائل اعمال میں ضعیف روایت کو قابل عمل سمجھتے ہیں لیکن یہ بات بھی درست نہیں فضائل اعمال بھی دین کا حصہ ہے اس لئے ایسی تفریق درست نہیں۔

کیا جرح غیبت ہے؟

بعض حضرات کا خیال ہے کہ راویوں پر جرح غیبت ہے واضح رہے کہ جرح کو غیبت قرار دینے کی بات آج کی نہیں بلکہ متقدمین حضرات سے بھی چند لوگ ایسے تھے جو جرح کو غیبت سے تعبیر کرتے تھے صوفیاء حضرات تو اسے تقویٰ کے خلاف سمجھتے ہیں اور جارحین پر لعن طعن کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کا اثاثہ ہی قصے کہانیاں ہیں جو مجروح راویوں کی مرہون منت ہیں۔ اگر یہ جرح کو تسلیم کرتے ہیں تو پوری صوفیت ہی مجروح قرار پاتی ہے یا پھر یہ حضرات غیبت اور جرح میں فرق نہیں کر سکے غیبت سے مقصد کسی کی تذلیل ہوتا ہے جبکہ علم حدیث میں جرح سے مقصود راوی کی عیب جوئی نہیں بلکہ روایت حدیث میں اس کی حیثیت کو ظاہر کرنا ہے تاکہ اس کی روایت کردہ حدیث سے اجتناب کیا جائے اور محفوظ دین کسی مجروح راوی کی بیان کردہ روایت سے گدلا اور غیر محفوظ نہ ہوجائے۔ حافظ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ جرح کو غیبت کے ساتھ وہی شخص ملاتا ہے جو علم حدیث سے ناواقف ہے جرح ایسی غیبت نہیں جس سے منع کیا گیا ہے بلکہ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے جس میں کسی ایک کو اختلاف نہیں کہ احتجاج کے وقت صرف صدوق اور عاقل کی خبر قابل قبول ہوتی ہے اور اجماع سے یہ ثابت ہے کہ جو شخص روایت میں صدوق نہیں اس پر جرح کی جائے۔ اس کی تصریح سنت مصطفیٰ ﷺ سے ثابت ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: بئس اخو العشیرة او قال ابن العشیرة. یہ اپنے قبیلے کا برا بھائی ہے یا فرمایا برا بیٹا ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اگر کسی شخص میں برا وصف ہو تو اظہار

کے طور پر اس کی خبر دینا غیبت نہیں ہے اگر یہ غیبت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس شخص کو قبیلے کا برا بھائی یا برا بیٹا قرار نہ دیتے۔

مزید فرماتے ہیں: غیبت اسے کہتے ہیں جس میں قائل اپنے مقول فیہ کی عیب جوئی اور اس پر لعن طعن کرے لیکن ہمارے ائمہ کرام تو ایسے نہیں تھے انہوں نے صرف غیر عدول راویوں پر جرح کی ہے تا کہ ان روایات کو قابل حجت نہ سمجھا جائے ان کا ارادہ طعنہ زنی کا نہیں تھا بلکہ خیر خواہی کا تھا یاد رکھو! کسی شخص کے بارہ میں خبر دینا جب قائل کا ارادہ طعنہ زنی کا نہ ہو تو غیبت نہیں ہوتی۔
(کتاب المجروحین ۱۸/۱ ملخصا)

حافظ ابن اثیر نے اس کی مزید توضیح کی ہے فرماتے ہیں: محدثین پر کلام رجال میں ان لوگوں نے عیب لگایا ہے جو اصل غرض سے ناواقف اور حصول مقصد میں کوتاہ دامن ہیں محدثین کو رجال میں کلام اور تعدیل پر دین کے امور میں احتیاط اس کے قانون کی حفاظت اور حدیث جس پر اسلام کی بنیاد قائم ہے میں خطا اور غلط مواقع میں تمیز نے ابھارا ہے ان کے بارہ میں ایسا گمان نہیں رکھا جاسکتا کہ انہوں نے لوگوں کی طعنہ زنی غیب اور ہرزہ سرائی کی ہے انہوں نے تو فقط ضعیف راوی کا ضعف واضح کیا ہے تا کہ اسے جان کر اس کی روایت سے اجتناب کیا جائے کیونکہ دین میں شہادت اور شہادت سے زیادہ اہم اور حقدار ہے جو حقوق اور اموال کے متعلق ہو اسی بنا پر محدثین کرام نے لوگوں کے بارہمیں کلام کیا ہے اور ان کے احوال کی توضیح کو اپنے او پر فرض قرار دیا ہے اور جو جرح ان امور منعیہ میں سے ہے جس سے دین کو بڑا فائدہ پہنچتا ہے (جامع الاصول ۱۳۱/۱ ملخصا)۔

معروف تابع عاصم الاحوال رحمہ اللہ کہتے ہیں میں امام قتادہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا انہوں نے عمرو بن عبید (رئیس معتزلہ) پر جرح کی میں نے کہا میں تو علماء کے بارہ میں ایسا گمان نہیں کر سکتا کہ یہ ایک دوسرے پر جرح کریں گے انہوں نے فرمایا: احول تجھے معلوم نہیں کہ آدمی جب بدعتی ہو جائے تو لوگوں کو اس کے بارہ میں بتا دینا چاہئے تا کہ لوگ اس سے بچ کر رہیں (میزان الاعتدال ۲۷۳/۳)

امام عبداللہ بن مبارک نے ایک شخص کا ذکر کیا کہ وہ جھوٹ بولتا ہے کہ ایک شخص کہنے لگا ابو عبدالرحمن! تم چغلی کھا رہے ہو انہوں نے فرمایا: **اسکت اذا لم تبین کیف یعرف الحق من الباطل** (شرح علل الترمذی لابن رجب ۷۷) خاموش رہ جب ہم ان کی حالت (لوگوں پر) واضح نہ کریں گے تو حق کی باطل سے کیسے شناخت ہوگی۔

امام اسماعیل رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص کی روایت بیان کی گئی تو انہوں نے فرمایا اس شخص سے روایت بیان نہ کرو یہ حدیث میں ثبت (ثقہ) نہیں ہے۔ ان سے کہا گیا تم نے اس کی غیبت کی ہے وہ اس پر فرمانے لگے: میں نے غیبت نہیں کی بلکہ اس پر غیر ثقہ ہونے کا حکم لگایا ہے۔ (الجرح والتعدیل ۲۳/۱)۔

نیز فرمایا: **ان ھذا امانۃ لیس بغیبۃ** (شرح علل الترمذی ۷۷) یہ امانت ہے غیبت نہیں ہے۔

خاتمۃ المحدثین حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس جماعت (محدثین) کو کھڑے کیا جنھوں نے نبی اکرم ﷺ کی سنت کا دفاع کیا نصیحت اور خیر خواہی کی خاطر راویوں پر جرح کی ہے اور یہ امور غیبت مذمومہ میں سے نہیں ہیں بلکہ ان پر فرض کفایہ ہے (لسان المیزان ۴۰۳/۱)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **جرح المجروحین من الرواۃ والشھود ذالک جائز بالاجماع المسلمین بل واجب للحاجۃ** (ریاض الصالحین باب ما یباح من الغیبۃ ۴۵۱) مجروح راویوں اور گواہوں پر جرح کے جواز پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے بلکہ ضرورت کے تحت واجب ہے۔

جرح اور عیب کا ظاہر کرنا

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہے کہ کسی مجروح راوی پر جرح غیبت کے زمرہ میں نہیں آتی بلکہ یہ ایک علمی امانت ہے جس کا تعلق حدیث نبوی کی حفاظت سے ہے یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام نے عندالحاجت جرح کو جائز ہی نہیں بلکہ واجب قرار دیا ہے۔

امام ابن حبان فرماتے ہیں: ائمہ مسلمین اور اہل ورع فی الدین نے جرح کو جائز قرار دیا ہے اور جو ضعیف اور متروک راوی ہیں ان کو لوگوں کے سامنے واضح کیا ہے اور خبر دی ہے کہ ایسے راویوں

سے سکوت حلال نہیں ہے۔ بلکہ ان پر جرح کو ظاہر کرنا اس کے مخفی رکھنے سے زیادہ افضل ہے (کتاب المجروحین ۱/۲۱ ملخصا ومفهوما)۔

امام یحیٰ بن سعید فرماتے ہیں میں نے امام سفیان ثوری، امام شعبہ، امام مالک، امام سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ اجمعین سے واھی الحدیث راوی کے بارہیں دریافت کیا (کیا میں اس کا معاملہ ظاہر کروں) تو ان تمام ائمہ عظام نے یہی جواب دیا کہ وہ ثبت (ثقہ) نہیں ہے لہٰذا تم اس کے معاملے کو لوگوں کیلئے واضح کرو (الکامل ۱/۱۱۳)۔

محدثین کرام نے راویوں پر جرح کی ذمہ داری کو جس احسن طریقہ سے نبھایا اس کی مثال اقوام عالم میں نہیں ملتی اگر راویوں میں کوئی عیب ہے تو علم ہو جانے کے بعد اسے واضح کیا ہے اور یہ نہیں دیکھا کہ جس پر جرح ہو رہی ہے وہ تو کوئی نامور شخصیت ہے یا جارح سے اس کی قرابت اور رشتہ داری ہے بلکہ جسے حق سمجھا اس کا اظہار ببانگ دہل کیا گویا کہ حق کو قرابت پر مقدم سمجھا۔ امام علی بن مدینی کے والد عبداللہ بن جعفر المدینی رحمہ اللہ روایت حدیث میں کمزور تھے ایک دن کسی شخص نے امام ابن المدینی سے ان کے والد کے بارہ میں پوچھا تو فرمانے لگے کسی اور سے پوچھو لوگوں نے کہا نہیں تم ہی بتاؤ انہوں نے فرمایا حدیث دین ہے میرے والد ضعیف ہیں۔ (کتاب المجروحین ۲/۱۵)

امام قتیبہ بن سعید فرماتے ہیں میں بغداد میں داخل ہوا تو مجھ سے حدیث لکھوانے کا مطالبہ ہوا میں نے مجلس میں حدیث لکھوانی شروع کی اور ایک حدیث کی سند یوں بیان کی: **حدثنی عبدالله بن جعفر المدینی** تو مجلس سے ایک نوجوان کھڑے ہو کر کہنے لگا: ابو رجاء (کنیت امام قتیبہ) عبداللہ کا بیٹا (علی) اس پر (روایت حدیث میں) راضی نہیں ہے اگر وہ اپنے باپ سے روایت لینے پر راضی ہو جاتا ہے تو ہم بھی اس کی حدیث لکھ لیتے ہیں (ایضا)

معروف محدث زید بن ابی انیسہ کا بھائی یحیٰ بن ابی انیسہ روایت حدیث میں کذاب تھا زید نے اسکے بارہ میں فرمایا: تم میرے بھائی سے روایت نہ لیا کرو (مسلم ۱/۱۵)

حسن بن عمارہ متروک راوی تھا امام شعبہ فرماتے ہیں میرے پاس جریر بن حازم اور حماد بن زید آئے اور کہنے لگے آپ اس کے بارہ میں خاموشی اختیار کریں اور اس پر جرح نہ کریں میں نے کہا اللہ کی قسم! اس سے خاموشی نہیں ہو سکتی میں اس پر جرح کرنے سے خاموش نہیں رہ سکتا (المحدث الفاصل ۳۲۱)۔

ابان بن ابی عیاش بصری اپنے دور کے مشہور عابد اور زاہد تھے لیکن روایت میں ناقابل اعتماد تھے امام شعبہ ان پر سخت قسم کی جرح کرتے تھے جس کا ابان کو بھی علم تھا وہ ایک دن حماد بن زید کے پاس گئے اور کہنے لگے میں چاہتا ہوں کہ تم شعبہ سے گفتگو کرو کہ وہ میرے بارہ میں کلام نہ کریں امام حماد امام شعبہ کے پاس گئے اور ابان نے جو کہا تھا ان سے عرض کر دیا امام شعبہ کچھ دن تو خاموش رہے لیکن ایک رات موقع پا کر حماد کے پاس تشریف لے گئے اور کہنے لگے تم نے مجھ سے ابان کے بارہ میں سکوت کا حکم دیا تھا لیکن میں اس کے بارہ میں سکوت حلال نہیں سمجھتا اس لئے کہ وہ رسول اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور یہ دین کا معاملہ ہے (الضعفاء الکبیر عقیلی ۱/۳۹، کتاب المجروحین ۱/۹۶)۔

یہ اور اس قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ محدثین کرام نے مجروح راوی پر بقدر علم جرح کی ہے اور یہ نہیں ہوا کہ مجروح راوی سے قرابت یا تعلق یا اس کی ظاہری پارسائی کی وجہ سے اغماض کیا ہو بلکہ اس میں جو کمزوری دیکھی اس کا برملا اظہار کیا اور اس سلسلہ میں کسی قسم کے خوف اور ملامت کی پرواہ نہیں کی یہی وجہ ہے کہ امام مسلم نے محدثین کرام کی سعی وجہود کا کھلے دامن اعتراف کیا ہے اور انہیں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں: محدثین کرام نے حدیث کے راویوں اور اخبار کے ناقلین کے عیوب واضح کرنا اپنے اوپر لازم کیا ہے ان سے جب بھی پوچھا گیا تو انہوں نے اس کا فتویٰ دیا اس لئے کہ اسکے (چھپانے میں) عظیم خطرہ ہے۔ کیونکہ دین کے معاملہ میں احادیث کو بلا جواز ضعیف کہا ہے بلکہ ہم اسی طریق پر گامزن ہیں جو اسلاف اور متقدمین نے ہمارے لئے متعین کیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆